محمد ارشاد

پی ایچ ڈی اردو اسکالر، وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد

عارف خان

لیکچرر، لارنس کالج، گھوڑا گلی، مری

ڈاکٹر سید عون ساجد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

کلامِ اقبال میں انسان دوستی کا پیغام

The article critically investigates the Allama Iqbal's concept of philanthropy in Islamic modernism in the perspectives of contemporary religious scholars and religious literature. Iqbal's theory of philanthropy is not a work being done in ecstasy or out of nowhere but it has a brief background of untiring efforts. From studying philosophy to rest of the global disciplines, from eastern literatures to the western literature Iqbal has voyaged the theory of humanitarianism. The humanitarian ideal is always universal in poetry and philosophy. Help and guidance has been taken from the research work of different scholars-Allama Iqbal's poetry, ideology and philosophy are deeply affected by humanistic moral valves. In Allama Iqbal's poetry ideology and philosophy is the strong effect of humanistic moral values that can be observed everywhere. He has mentioned humanity in his poetry with so much love, care and affection, examples of which is never found in the history. He was a great interpreter of humanism. Iqbal believed that to bring revolution in outer world it is necessary to transform inner world.-Allama Iqbal in his poetry emphasized the human values like fear and hope gloom and joy, modesty and self respect, struggle, equality, compassion, mercy and love. He in the history of world literature is the greatest poet of humanism.

The main purpose of this study is to probe deeply the philosophy of Dr. Allama Muhammad Iqbal through the concept of divine love. This paper tried to analytically explore the Iqbal's perspective about the factors influencing the human

life and a man's approach towards being a human and humanism.

Keywords: Humanism, Philanthropy, Literature, Religious, Affection, Divine Love, Revolution, Philosophy, Ideology,

اقبال کے نظامِ فکر میں انسان دوستی اور عظمتِ انسان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کلامِ اقبال احترامِ انسانیت کا پرچار کرتا ہوا نظر آتا ہے اور اس انسان دوستی کی بنیاد اقبال کا مذاہب عالم اور تاریخ عالم کا گہرا مطالعہ اور مشاہدہ ہے۔ اقبال بیسویں اور اکیسویں صدی کے احترامِ انسانیت اور انسان دوستی کے مبلغین میں سرِ فہرست نظر آتے ہیں ان کی یہی انسان دوستی اُن کو ہر دور اور ہر قوم کے لیے قابلِ قبول اور محبوب بناتی ہے۔

کوئی بھی مفکر، شاعر، مبلغ، عظمتِ انسان اور انسان دوستی کے بغیر متاثر کن نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ اپنے افکار سے دنیا کو متاثر کر سکتا ہے۔ جن مفکرین نے صرف اپنی قوم کو مخاطب کیا انسان دوستی اور عظمت آدم کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کے پرچار سے گریز کرتے رہے ان کا پیغام محدود ہونے کی وجہ سے وقت کے ساتھ ساتھ دم توڑ گیا۔

اس سے انکار ممکن نہیں کہ اقبال عالم اسلام سے مخاطب ہیں اور اُن کا بنیادی پیغام عالم اسلام کے لیے ہے۔ لیکن ان کے پیغام کے بنیادی فلسفے "انسان دوستی" نے اُن کو مشرق و مغرب میں مقبول بنا دیا کیونکہ ان کے پیغام میں تمام اقوام عالم کے لیے امن و آشتی کا پیغام موجود ہے۔ اقبال تمام مذاہبِ عالم کے پیشواؤں کو ادب و احترام سے یاد کرتے ہوئے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کو تنگ نظر قوتوں کی طرف سے تنقید کا نشانہ بھی بنایا گیا اور ان پر کفر کے فتوے بھی لگائے گئے۔

ڈاکٹر طالب حسین سیال، ڈاکٹر محمود احمد غازی کے الفاظ نقل کرتے ہیں:

> "احترام آدم کے بارے میں اقبال نے جو کچھ لکھا ہے وہ بیسویں صدی کے اسلامی فکر کے روشن چہرے اور تابناک پیشانی کا چمکتا جھومر ہے۔"[1]

ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم لکھتے ہیں:

> "علامہ اقبال نے جنوبی ایشیاء اور مشرق و مغرب کے مفکرین، عمائدین، شعراء اور دانشوروں کا عمیق مطالعہ کیا تھا وہ دنیا بھر کے معروف مذہبی مفکرین کے نظریات سے براہِ راست واقف تھے۔ یہی

وجہ ہے کہ انھوں نے مختلف ادبیات پر تنقیدی خیالات کا اظہار کیا۔ علامہ محمد اقبال کے ہاں نمایاں پہلو انسان کی عظمت اور احترام کا ہے۔"[۲]

پیغام اقبال انسان دوستی کے بغیر کوئی معانی نہیں رکھتا کیونکہ وہ نام نہاد انسان دوستی کا پرچار کرنے والے مفکر نہیں بلکہ ان کی عملی زندگی اور کلام ہر قدم پر انسان دوستی کا احساس دلاتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کے بہت سے خطوط اور خطبات اس بات کا ثبوت ہیں۔ اقبال اپنے ایک پیغام میں کہتے ہیں:

"یاد رکھیے کرہ ارض پر انسانیت کی بقا کا دار و مدار بنی نوع انسان کے احترام پر ہے اور جب تک تمام دنیا کی تعلیمی قوتیں احترام آدمیت سکھانے پر مرتکز نہ کر دی جائیں۔ یہ دنیا وحشی و خونخوار شکاری درندوں کا اکھاڑہ بنی رہے گی"[۳]

تاریخ انسانی کے ہر دور میں انسان دوستی کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب کسی نہ کسی صورت میں انسان دوستی اور احترام آدمیت کی تعلیم دیتے ہوئے نظر آتے ہیں، البتہ وقت کے ساتھ ساتھ انسان دوستی اور احترام انسانیت کے تصور میں ارتقاء نظر آتا ہے اور موجودہ دور میں انسان دوستی کی اصطلاح وسیع مفہوم و معانی میں استعمال ہوتی ہے۔ انسان دوستی انگریزی لفظ Humanism کا براہ راست اُردو ترجمہ ہے۔

"ہیومنزم Humanism کی اصطلاح Studia Humanitatis سے ماخوذ ہے جس کا لغوی مطلب ہے۔ انسانی علوم یا آرٹ کا مطالعہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے یہ اصطلاح سسرو Cicero ولادت ۱۰۴ قبل مسیح نے استعمال کی تھی۔ سسرو کے تصور میں humanities وہ انسانی علوم تھے جو انسان کے لیے ایک مہذب ہستی ہونے کے حوالے سے لازم تھے اور جن کی بنیاد پر انسان حیوانات پر فوقیت رکھتا تھا۔"[۴]

اہلِ یورپ جب انسان پر متوجہ ہوئے اور اپنی جامد اور فرسودہ روایات کو خیر باد کہا تو تب یورپ میں ہیومنزم احیائے علوم کے ساتھ منظم تحریک کے طور پر سامنے آیا۔ یورپ نے انسان دوستی کی بنیادوں کو یونان اور روم کے قدیم نظریات و تصورات سے اخذ کیا۔ اہل یورپ جانتے تھے کہ پرانے فرسودہ تصورات سے نئی دنیاؤں کو مسخر نہیں کیا جا سکتا اور نئے نئے علوم سے روشناس ہونے کے لیے تعصب اور تنگ نظری کی جگہ انسان دوستی اور احترام آدمیت کو اپنانا ہو گا۔ ڈاکٹر توصیف احمد خان اپنے مضمون "اُردو ادب میں انسان دوستی" میں انسان دوستی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"انسان دوستی کی اصطلاح عصر حاضر میں انسانوں سے محبت اور ان کے درمیان بھائی چارے کے فروغ کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ مختلف مذاہب، عقائد اور نظریات سے تعلق رکھنے والے افراد صرف اس ایک بات پر متفق ہو جائیں کہ ان کی تمام تخلیقات اور سرگرمیوں کی بنیاد رواداری اور برداشت پر محیط ہو گی۔"[۵]

اہلِ یورپ رومی اور یونانی فلسفہ کے زیر اثر چرچ اور عقیدے کے بندھن سے آزاد ہوئے۔ یونانی و رومی فنون لطیفہ نے اقوام کو اپنی طرف بھرپور متوجہ کیا اور اس وجہ سے ان کی ساری توجہ انسان پر مرکوز ہو گئی اور انسان دوستی کو فروغ حاصل ہوا جس نے یورپ میں اس نئی تحریک کو جنم دیا۔اس سے انکار ممکن نہیں کہ انسان دوستی کی تحریک نے یورپ میں جنم لیا اور مارٹن لوتھر کی تحریک کا اس میں اہم کردار تھا جس کے زیر اثر اہل یورپ چرچ سے دور ہوتے گئے اور انسان کے قریب ہوتے گئے ادھر مشرق بھی انسان دوستی کے اثرات سے تہی نہیں رہا بلکہ مذہب نے انسان دوستی کے جذبات، اخلاق و احترام انسانیت اور مساوات کی صورت میں پروان چڑھائے۔ جہاں بعض مذاہب نے انسان دوستی کو پروان چڑھایا وہیں بعض مذاہب انسان دوستی میں رکاوٹ بھی بنے رہے۔ مغرب چونکہ مذہب کو خیر باد کہہ چکا تھا اور بہت سے خود ساختہ اور فرسودہ نظریات کو ترک کر چکا تھا اس لیے وہاں انسان دوستی کی تحریک خوب پھلی پھولی۔

"جن لوگوں نے یونانی اور رومی علوم سے استفادہ کیا اور اُن کی دانش و فکر کی بنیاد پر اپنے نظریات و خیالات کی بنیاد ڈالی یہ لوگ ہیومنسٹ یا انسان دوست کہلائے۔ ہیومنزم کی تحریک کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے فرد کو چرچ، مذہب اور عقیدے کی زنجیروں سے آزاد کرایا۔"[۶]

دنیا کی ہر تہذیب میں انسان دوستی کے نقوش ملتے ہیں۔ بعض مذاہب اور تہذیبوں میں احترام انسانیت کا مفہوم صرف ہم مذہب، ہم زبان اور مشترک عقائد کے افراد کے لیے مختص ہے اس رویے سے عالمی انسان دوستی کو نقصان پہنچا ہے۔ انسان دوستی عالمگیر اخوت، عالمی مساوات اور انسانی آزادی سے ماخوذ ہے۔ اقبال کے تصورِ انسان دوستی کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مشرقی تہذیبوں، مذاہب اور مغربی افکار میں کارفرما انسان دوستی کے نظریات کا جائزہ لیا جائے۔ کیونکہ اقبال نے مشرق اور مغرب دونوں کے علمی ورثے سے استفادہ کیا ہے۔

کوئی مذہب بھی انسان دوستی اور احترام انسانیت سے خالی نہیں ہے۔ مذاہب عالم میں ہندومت قدیم ترین مذاہب میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن ہندو معاشرہ ذات پات اور طبقاتی تقسیم میں سب سے سر فہرست ہے۔ ہندومت

کے مروجہ عوامی عقائد نے انسان دوستی کی بجائے انسانوں کو اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں اور ذاتوں میں تقسیم کیا۔ ذات پات ہندو عوامی تہذیب کا بنیادی عنصر ہے۔ ذات پات کی تقسیم کا اثر تمام برصغیر میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے صرف ہندوؤں میں نہیں بلکہ مسلمانوں میں مختلف ذاتوں کی تقسیم اور کمین لوگوں کی اصطلاح عام ہے ہندوؤں کے ہاں ذات پات کی تقسیم اتنی مستحکم ہے کہ اعلیٰ ذات کے لوگوں کو بڑے بڑے جرائم کی بھی بالواسطہ اجازت ہے اور ان کی مذہبی تعابیر اور پیشوا اعلیٰ ذات کے لوگوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر طالب حسین سیال منوشاستر کے باب ہشتم سے نقل کرتے ہیں:

"سزائے موت کے عوض میں برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی۔۔۔۔"[۷]

ان مذہبی تعبیرات نے ہندومت میں انسان دوستی کی بیخ کنی کی جس کی وجہ سے کسی دور میں بھی ہندو معاشرے میں انسان دوستی کی کوئی اعلیٰ مثال نہیں ملتی بلکہ ہر دور میں اپنے اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کی تقسیم پر زور رہا ہے۔ اس انسانی عدم مساوات کے پیچھے ہندومت کی افسانوی تاریخ ہے جس میں عام انسانوں کے بجائے دیوی دیوتاؤں اور جنوں پریوں کی داستانیں ہیں اس سے ایک عام آدمی کی تربیت کیا ہونی تھی اُلٹا اس سے انسان دشمنی طبقاتی اونچ نیچ اور اوہام پرستی کو فروغ حاصل ہوا۔

ہندوازم کے مقابلے میں بدھ مت میں انسان دوستی کے گہرے نقوش ملتے ہیں۔ بدھ مت بھی قدیم مذاہب میں شمار ہوتا ہے۔

بدھ مت میں نفی ذات، ترک دنیا اور عرفان ذات بنیادی فلسفہ ہے۔ بدھ مت نے جہان کو ایک دھوکا اور فریب قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ انسان اور کائنات کے شخصی وجود کو بھی باطل قرار دیا گیا۔ بدھ مت کا منزل مقصود نروان حاصل کرنا ہے جس کا حصول نفی ذات اور ترک دنیا کے بغیر ممکن نہیں ہے اس لیے بدھ مت میں سادھوؤں کا بڑا رواج رہا اور وہ نروان حاصل کرنے کے لیے جنگل اور بیابانوں کا رُخ کرتے تھے۔

ہندوؤں کے مقابلے میں بدھوں میں مذہبی رواداری پائی جاتی ہے۔ بدھ مت اپنی تعلیمات پر یقین رکھتا ہے اور دوسرے مذاہب کی تعلیمات پر تنقید نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کو اپنی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ بدھ مت میں ہندوؤں کے مقابلے میں انسان دوستی کو فروغ حاصل ہوا اور بہت سے ہندوؤں نے ذات پات کی اونچ نیچ سے تنگ آکر بدھ مت قبول کیا۔ بدھ مت نے صرف ذات پات کی اونچ نیچ کو باطل قرار نہیں

دیا بلکہ پنڈت اور برہمن کی بالادستی کو بھی مسترد کیا جس سے فرد کی اہمیت میں اضافہ ہوا اور اسی نے انسان دوستی کو پروان چڑھایا۔

کنفیوشزم بھی دنیا کے قدیم ترین مذاہب یا اخلاقی نظریات میں شمار ہوتا ہے کنفیوشس کی تعلیمات اور ان کی شخصیت نے دنیا کو متاثر کیا ان کی تعلیمات کو انسانی تاریخ میں انسان دوستی اور احترام انسانیت کے حوالے سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔احترام انسانیت اور انسان دوستی کے حوالے سے کنفوشزم اسلام کے زیادہ قریب ہے۔ کنفیوشزم میں انسان دوستی کی بنیاد یہ اصول ہے کہ "جو میں اپنے لیے نہیں چاہتا وہ مجھے دوسرے کے لیے بھی نہیں چاہنا چاہیے"۔اسلام میں بھی انسان دوستی کی بنیاد بالکل اسی طرح کی حدیث ہے۔ جس میں فرمایا گیا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

کنفیوشس بھی تمام انسانوں کو برابر قرار دیتا ہے وہ اس کا قائل تھا کہ تمام انسان فطرت کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں۔

کنفیوشس کی تعلیمات کی وجہ سے معاشرے میں انسان دوستی، عدل و انصاف اعلیٰ ظرفی اور احترام آدمیت کو فروغ حاصل ہوا جس طرح بدھ مت میں تمام زور نروان حاصل کرنے پر ہے۔ کنفیوشزم میں تمام زور جین پر ہے جین کا ترجمہ انگریزی کے چند الفاظ سے کسی حد تک کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً جین کا انگریزی میں Perfect goodness, benevolence humanity سے ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔اگرچہ یہ الفاظ بھی جین کا مطلب پوری طرح ادا نہیں کرتے۔ کنفیوشس کے فرمودات سے جین کو سمجھا جا سکتا ہے۔

> "اگرچہ آپ لوگوں سے برتاؤ میں پانچ باتوں پر عمل کریں تو آپ کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے جین کو حاصل کر لیا۔ (۱) وقار (۲) فیاضی (۳) دیانتداری (۴) مستقل مزاجی (۵) مہربانی۔ اگر آپ باوقار ہیں تو آپ کی بے عزتی نہیں کی جائے گی۔ اگر آپ فیاض ہیں تو آپ ہر شے حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ دیانتدار ہیں تو لوگ آپ پر اعتبار کریں گے۔ اگر آپ مستقل مزاج ہیں تو نتائج حاصل کر سکتے ہیں اگر آپ مہربان ہیں تو آپ لوگوں سے خدمات لے سکتے ہیں۔"[۸]

زرتشتی تعلیمات نیکی، پاکیزگی اور انسان دوستی کے حوالے سے قابل تحسین ہیں۔اس مذہب میں جنت جہنم آخرت جزا و سزا کے علاوہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا واضح تصور موجود ہے۔ زرتشت نے اپنے دین کو روشنی (نور) قرار دیا ہے۔

یہ مفاہیم زر تشتی مذہب کے علاوہ ادیان ابراہیمیؑ (یہودیت، عیسائیت اور اسلام) میں بھی شامل ہیں۔

"ابراہیمؑ کو قرآن نے "امام الناس" اور "مسلم" کے اسماء صفات سے یاد فرمایا ہے اور آل ابراہیم کو "کتاب، حکمت اور ملک عظیم" سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلعت کا شرف بخشا اور سب امتوں میں انہیں ہر دلعزیز بنایا۔ اکثر انبیائے کرام اُن کی اولاد سے ہیں۔"[۹]

یہودیت اور مسیحیت کا بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان مذاہب میں تحریف ہوتی رہی جس کی وجہ سے یہ مذاہب اپنے حقیقی تعلیمات کو برقرار نہ رکھ سکے لیکن انسان دوستی اور احترام انسانیت کے اثرات اب بھی ان مذاہب میں موجود ہیں۔ تاریخ میں بہت سے مقامات پر یہ مذاہب اپنی مشترکہ ابراہیمی بنیاد کی وجہ سے انسان دوستی اور احترامِ انسانیت کا پرچار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ توریت، زبور، انجیل میں عقیدہ توحید کو ہی دین کی بنیاد قرار دیا گیا تھا۔ قرآن نے گزشتہ کتابوں کی تعلیمات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کلمہ توحید کی دعوت دی ہے۔ جو ان مذاہب میں قربت کی بنیاد ہے۔

"کہہ دیجیے! کہ اہل کتاب آؤ اُس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور بعض ارباب کو اللہ کی بجائے رب نہیں ٹھہرائیں گے اور اگر وہ (اہل کتاب) رو گردانی کریں پس ان سے کہہ دو گواہ رہو ہم تو ہر حال میں مسلمان (خُدا کے ہی مطیع) ہیں۔"[۱۰]

"داؤدؑ کی زبور میں جہاں حب الٰہی کے نغمے ہیں اور حکمت کی باتیں ہیں وہاں معاشرتی امن و سکون اور عدل و انصاف کی بھی تبلیغ کی گئی ہے۔"[۱۱]

مسیحیت کی تعلیمات انسان دوستی اور احترام انسانیت سے عبارت ہیں۔

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جسے کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جسے چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے ہیں اور چراتے ہیں کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہاں تیرا دل بھی لگا رہے گا۔"[۱۲]

اقبال کے افکار و نظریات کی بنیاد دین اسلام ہے۔ زیرِ بحث موضوع "اقبال کی انسان دوستی" بھی اسلامی تعلیمات سے پروان چڑھی اگرچہ باقی مذاہب میں بھی انسان دوستی اور احترام آدمیت کے تصورات ملتے ہیں لیکن

عملی طور پر جس دین نے انسان دوستی اور احترام آدمیت پر بہت زور دیا وہ دینِ اسلام ہے۔ انسان دوستی اور احترام آدمیت کا عملی مظاہرہ ہمیں سیرت النبیؐ میں نظر آتا ہے اور اقبال کتنے بڑے عاشق رسولؐ تھے یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ انسان نے ترقی کی مدارج وقت کے ساتھ طے کیے ہیں۔

"کیا گزرا ہے انسان پر ایک ایک ایسا وقت زمانے کا کہ نہ تھا وہ کوئی قابل ذکر چیز۔"[۱۳]

قرآن مجید نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے اس شرف کی بنیادی وجہ فہم و فراست ہے کیونکہ تمام مخلوقات انسان کی عقل کی اسیر ہیں اور یہی عقل انسان کو اعلیٰ صفات سے متصف کرتی ہے۔ اور ان صفات میں بنیادی صفت انسان دوستی اور احترام انسانیت ہے۔ اسلام کے لغوی مطالب میں امن و سلامتی شامل ہے۔ اسلام کسی انسان کی حق تلفی کو جائز قرار نہیں دیتا بلکہ اسلام ہر انسان کو امن و سلامتی کا ماحول فراہم کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں سب کی جان برابر ہے اس لیے اسلام نے ایک "انسان" کے قتل کو تمام انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔

"جس نے کسی انسان کو بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا فساد مچایا ہو زمین میں تو گویا اُس نے قتل کر ڈالا سب انسانوں کو اور جس نے زندگی بخشی ایک انسان کو تو گویا اس نے زندہ کیا سب انسانوں کو۔"[۱۴]

ایام تشریق کے وسط میں آپؐ نے فرمایا:

"لوگو! خبردار رہو تم سب کا خُدا ایک ہے۔ کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر، اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"۔ (بیہقی)[۱۵]

تحریک احیائے علوم سے پہلے مسیحیت میں انسان دوستی کی وہ مثالیں نہیں ملتیں جو اسلامی تعلیمات کا خاصہ ہے ہیں۔ اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے دنیا کے ہر قوم ہر مذہب اور ہر خطے کے افراد کو انسان دوستی اور احترام آدمیت کی تعلیمات کی وجہ سے اپنی طرف کھینچا ہے۔ اسلام اپنے تصور ختم نبوت کی بنا پر کسی بھی مذہبی طبقے کی اجارہ داری کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے کوئی بھی مذہب اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

پیغمبر اسلام ص کی یہ حدیث کہ:

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع دے"[۱۶]

اسلام میں انسان دوستی کی اعلیٰ تعلیمات میں سے ہے۔

مغربی فلسفہ بھی مصادر فکر اقبال میں سے ہے۔ افلاطون کے فلسفے کے مطابق انسان خود کفیل اکائی نہیں بلکہ انسانوں کی خصوصیات اور صلاحیتیں ایک دوسرے کا تکملہ ہیں اور ان کا یہی فلسفہ انسان دوستی کی بنیاد ہے۔ افلاطون کا بنیادی کارنامہ علم اور تعلیم کی اہمیت کو اُجاگر کرنا ہے اگرچہ افلاطون انسانوں کو ان کی صلاحیتوں کی وجہ سے مختلف طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ لیکن یہ تقسیم ان کی انسان دوستی میں مانع نہیں ہے، کیونکہ یہ تقسیم کسی تعصب یا بغض و عناد کی وجہ سے نہیں بلکہ صلاحیتوں کی وجہ سے ہے۔ معاشرہ دراصل ایک نظام خدمات ہے جس میں ہر فرد کچھ خدمات سرانجام دیتا ہے اور کچھ خدمات حاصل کرتا ہے۔

ارسطو افلاطون کا شاگرد تھا افلاطون طرز حکمرانی کو اہم قرار دیتا ہے جبکہ ارسطو حکومت کے وسیع مقاصد جو تمام طبقات کو تحفظ فراہم کرے کو اہم قرار دیتا ہے۔ افلاطون کے مقابلے میں ارسطو کے فلسفہ حیات میں انسان دوستی کے نقوش زیادہ گہرے ہیں۔

بعض دانشور تحریک احیائے علوم Renaissance کو جدید یورپ اور مغرب میں انسان دوستی کا آغاز قرار دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یورپ میں انسان دوستی کا آغاز اٹلی سے ہوا کیونکہ ۱۴۵۳ میں جب قسطنطنیہ پر ترکوں نے حملہ کیا، تو بہت سے اہل علم لوگوں نے اٹلی میں پناہ لی اور وہاں کے پرسکون اور پرامن ماحول نے اُن میں انسان دوستی کے جذبات کو پروان چڑھایا۔ جیسا کہ طالب حسین سیال لکھتے ہیں:

> "انسان دوستی (ہیومنزم) کی تحریک کا آغاز اٹلی سے ہوا۔ اٹلی کے مشہور شاعر پیٹرارک (Petrarch) (۱۳۰۴تا۱۳۷۴) کو بابائے انسان دوستی کہا جاتا ہے۔ اُس نے فرد کی قدر و قیمت کا اور تکریمِ انسان کا درس دیا۔"[۱۷]

یورپ میں انسان دوستی کی سوچ نے بہت سی تحریکوں کو جنم دیا جس کی وجہ سے انسان، انسان کے قریب ہوا اور اہل یورپ کو طرز حکمرانی، طرز معاشرت اور طرز کلیسا میں مثبت اور باعمل تبدیلیاں کرنا پڑیں۔

مغربی مفکرین میں انسان دوستی کے حوالے سے سب سے توانا آواز برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) کی نظر آتی ہے دوسری جنگ عظیم میں انسانوں کے قتل عام پر اور براعظم ایشیاء کی بربادی پر شدید دکھ کا اظہار کرتا ہے اس کا یہ جملہ انسان دوستی کا عکاس ہے۔ "میرا ضمیر جنگ پر معترض ہے"۔

جنگ ہائے عظیم کے بعد ، بین الاقوامی انسان دوست اور اخلاقیاتی یونین International Humanist and Ethical Union (IHEU)امریکی انسان دوست ایسوسی ایشن The American Humanist Associationاحباب مذہبی انسان دوستیFriends of Religious Humanismاور کیلی فورنیا کی وحدت الوجودی انسان دوستیPatheist Humanism جیسی تنظیموں کے اعلامیہ کا متن قابل ستائش ہے مثلاً بین الاقوامی انسان دوستی اور اخلاقیاتی یونین International Humanist Ethical Unionکانومبر ۱۹۹۶ میں جاری کردہ اعلامیہ انسان دوستی کا عکاس ہے۔

"انسان دوستی تہذیب کے حاضر بحران سے نکلنے کا واحد راستہ ہے۔ایک طرف یہ الہامی مذہب کی متبادل ہے اور دوسری طرف جبری نظاموں کا بدل ہے۔انسان دوستی جمہوریت کی حمایت نہ صرف سیاسی میدان میں کرتی ہے بلکہ جملہ باہمی انسانی تعلقات میں جمہوریت کی قائل ہے۔"[۱۸]

اس میں بھی شک نہیں کہ انسان دوستی کے تصور نے انسان کو بہت سے اوصاف سے متصف کیا جس کا سب سے بڑا ثبوت دنیا میں جمہوریت کا فروغ حاصل ہونا ہے۔مارکسزم میں انسان کو محور قرار دیا گیااور انسان کو ہر قسم کے استحصال سے نجات دلانے کا پیغام دیا گیا ہے۔اُن کی انسان دوستی میں خدا، عذاب اور ثواب اور آخرت کی زندگی کا کوئی دخل نہیں۔مارکسزم کی انسان دوستی انسان کی مادی فلاح و بہبود پر منحصر ہے۔

چند مفکرین نے انسان دوستی کے الٰہیاتی پہلو پر بھی زور دیا جن میں معروف فرانسیسی مفکر Rene Guenon جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کیااور شیخ عبدالواحد یحییٰ نام اختیار کیا۔ان مفکرین اور دانشوروں کا اثر اقبال کے فکر و فلسفہ پر نظر آتا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ علامہ اقبال عربی فارسی اردو اور انگریزی لٹریچر پر گہری نظر رکھتے تھے اور فلسفہ اور تاریخ سے بھی آگاہ تھے جس کی وجہ سے اقبال ایک طرف یورپ کی صنعتی ترقی کو سراہتے ہیں تو دوسری طرف سائنسی علوم کی موجودہ ترقی کو مسلمانوں کی مرہون منت قرار دیتے ہیں۔

اقبال اپنے صاحب زادے آفتاب احمد خان کو ۴ جون ۱۹۲۵ کو لکھتے ہیں:

"یورپ میں انسان دوستی کی تحریک زیادہ تر اُن قوتوں کی رہین منت ہے جو مسلم افکار کی بدولت منصہ شہود پر آئیں۔یہ کہنے میں ہر گز مبالغہ آرائی نہیں کہ جدید یورپ انسان دوستی کا وہ ثمر جسے ہم جدید سائنس اور فلسفے کی شکل میں دیکھ رہے ہیں کئی اعتبار سے مسلم کلچر کی توسیع و ترقی ہے۔"[۱۹]

اقبال کی تربیت میں اور انسان دوستی کو پروان چڑھانے میں بنیادی کردار اُن کے ماں باپ نے ادا کیا۔ اس کے علاوہ بچپن کے ماحول نے بھی علامہ اقبال کے افکار میں انسان دوستی کو پروان چڑھایا۔ شیخ نور محمد، مولوی میر حسن اور سر سید احمد خان کے اثرات اقبال کی شخصیت پر پڑے یہ تینوں شخصیات علم و فضل کے ساتھ ساتھ انسان دوستی کے بھی داعی تھے۔

علاوہ ازیں علامہ کی فکری تعمیر میں مولانا ابو سعید، محمد شعیب اور پروفیسر آرنلڈ کے نام بھی قابل ذکر ہیں پروفیسر آرنلڈ کی رہبری اقبال کو لندن میں بھی میسر رہی۔ غرض اقبال کی انسان دوستی ان کے اساتذہ اور دوستوں کی محفلوں اور تربیت کی وجہ سے پھلی پھولی۔

حقیقت میں علم الاقتصاد علامہ اقبال کی انسان دوستی کی آواز ہے معیشت کے پردے میں انسان دوستی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم نے انسان کو انسان کا دشمن بنا دیا ہے جس کی وجہ سے صرف علاقائی نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی انسان دوستی کی بیخ کنی ہوئی ہے۔

اقبال ہر اس شخص کی بلا تفریق مذہب و مسلک قدر اور تعریف کرتے ہیں جس کے دل میں انسان دوستی کا جذبہ موجزن ہو۔ انہوں نے انسان دوستی کی افکار کی وجہ سے سوامی رام تیرتھ جیسے افراد کی کھل کر تعریف کی۔ جس کی وجہ سے اقبال کو مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

اقبال کے کلام میں مذہبی رواداری اور انسان دوستی کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں:

آنکھ میری اور غم میں سرشک آباد ہو
امتیاز ملت و آئین سے دل آزاد ہو

(بانگ درا)

شاہد قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو
سر میں جز ہمدردی انساں کوئی سودا نہ ہو

(بانگ درا)

اقبال کی نظم "بچے کی دُعا" انسان دوستی کی سب سے مشہور مثال ہے۔

لب پہ آتی ہے دعابن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خُدایا میری
دور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے
زندگی ہو میری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب
ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
مرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس راہ پر چلانا مجھ کو

(بانگ درا)

قیام لاہور کے دوران علامہ اقبال پر وحدت الوجودی تصورات اور مغربی انسان دوست مفکرین کی چھاپ بہت گہری نظر آتی ہے۔وہ مذہبی ظاہری رسومات کے مقابلے میں علمی اور حقیقی اعمال کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ہر اس شخصیت سے فیض حاصل کیا جو انسان دوستی کے عملی اقدامات پر یقین رکھتا ہو۔

"میں سماجی اتحاد کے لیے وطن کو ایک بنیاد سمجھتا ہوں۔اس لیے خاک وطن کا ہر ذرہ مجھے دیوتا دکھائی دیتا تھا۔اس وقت میرے خیالات بہت کچھ مادیت کی طرف مائل تھے۔سوائے وطن کے مجھے انسانوں میں اتحاد کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔"[۲۰]

"ترانہ ہندی"ہندوستانی بچوں کا گیت"اور"نیا شوالہ"نے ان کو ہر طبقہ فکر میں روشناس کرایا،یہی وجہ ہے انگلستان جانے سے پہلے ہی وہ ہر عام و خاص میں اپنی انفرادیت اور علمی مقام منوا چکے تھے یہی وجہ ہے کہ سفر انگلستان سے پہلے "التجائے مسافر"میں وطن سے محبت اور انسان دوستی کے اعلیٰ جذبات واحساسات نظر آتے ہیں۔

مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو

دلوں کو چاک کرے مثل شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو
بنایا تھا جسے چُن چُن کے خارو خس میں نے
چمن میں پھر نظر آئے وہ آشیاں مجھ کو

(بانگ درا)

علامہ اقبال عالمی انسان دوستی کے قائل تھے اس لیے وہ ہر قوم و مذہب سے استفادہ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

"ہمارے ملک میں محبت اور مروت کی بو باقی نہیں رہی۔ ہم اُس کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کے خون کا پیاسا ہو اور اس کو پکا ہندو خیال کرتے ہیں جو مسلمانوں کی جان کا دشمن ہو۔"[۲۱]

علامہ اقبال معاشی نظام میں بھی انسان دوستی کے قائل تھے لیکن حصولِ دولت کے لیے وہ عزت نفس اور وقار انسانیت پر سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

اقبال کا تصور خدا بھی انسان محور ہے، علامہ اقبال صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ تمام انسانوں کو نائب خدا قرار دیتے ہیں ان کا یہی نظریہ اُن کو عالمی انسان دوست مبلغ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو یکساں صلاحیتوں سے نوازا ہے اس لیے نائب خدا کی ذمہ داری بھی سب پر یکساں عائد ہوتی ہے اور یہی ذمہ داری سب کو عالمی انسان دوستی کی لڑی میں پُروتی ہے۔

خُدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خُدا کے بندوں سے پیار ہو گا

(غزلیات بانگ درا، حصہ دوم)

اقبال اچھی طرح جانتے تھے کہ مغربی استعماریت نے انسان کو محکوم بنایا اور عالمی انسان دوستی کی بیخ کنی کی ہے۔ اقبال نظریہ خودی کے ذریعے انسان کی محکومی اور لاچاری ختم کرنا چاہتے تھے جو اصل میں مغربی استعماریت سے آزادی اور عالمی انسان دوستی کی آبیاری ہے۔ انسان دوستی کا بنیادی تقاضا انسانی حقوق، جذبوں اور اعتقادات کا احترام ہے، عزت نفس اور وقارِ انسانیت کے بغیر عالمی انسان دوستی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ "دوسرے الفاظ میں وہ

انسان دوست انسانوں کی عالمی برادری دیکھنے کے متمنی تھے، اور ایسے انسان کی تلاش میں تھے جو فکری و عملی طور پر مثالی ہو۔ اقبال کے اس تصور انسان دوستی کے قریب اگر کوئی نظر آتا ہے تو وہ مولانا رومی اور گوئٹے ہیں۔ وہ اپنی مثنوی "اسرار خودی" کے سرورق پر مولانا جلال الدین رومی کے یہ اشعار لکھتے ہیں۔

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہاں سُست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم و دستانو آزوست
گفتم کہ یافتہ می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشو دآنم آرزوست

اقبال دین کے انسان محور تصور کے ذریعے انسان کو باوقار دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے عناصر فطرت کی تسخیر پر انسان کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیاباں و کہسار و راغ آفریدی
خیابانِ و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نو شینہ سازم

(پیام مشرق)

اسرار خودی "لکھنے کا بنیادی مقصد اہل ہند کو بیدار کرنا اور عالمی انسان دوستی کو فروغ دینا تھا اور ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسرار خودی" کی اشاعت کا مقصد اشاعتِ اسلام ہر گز نہ تھا۔ وہ مثنوی اسرار خودی کے ذریعے صرف یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اسلام کا معاشرتی نظام ذات پات اور استحصالی نظام سے پاک ایک عالمی بھائی چارے اور انسان دوستی کا نظام ہے۔

اقبال ترک عمل اور رہبانیت کے سخت مخالف ہیں کیوں کہ فلسفہ فنائیت اور ترکِ عمل نظریہ انسان دوستی کے لیے زہر قاتل ہے۔ اس لیے اقبال بدھ مت پر ناقدانہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بدھ مت بالکل اپنے اصول کے مطابق انسان کی مقصد اعلیٰ اپنے آپ کو فنا کرنے کو قرار دیتا ہے۔ پس دکھ اور احساسِ شخصیت میں سے دکھ گویا اصلی چیز ہے اور احساس شخصیت ایک دھوکا ہے جس سے ہم اس طرح آزادی حاصل کر سکتے ہیں کہ وہ کام کرنا چھوڑ دیں جن کا میلان احساس شخصیت کو تیز کرنا ہے پس بدھ مذہب کے مطابق نجات کام نہ کرنے کا نام ہے۔ ترک دنیا اور نفس کشی سب سے بڑی نیکیاں ہیں۔"[۲۲]

اقبال زندگی اور کائنات کے بارے میں مادی تعبیر کو درست قرار نہیں دیتے ان کا خیال ہے مادی تعبیر انسانیت کے اعلیٰ نصب العین (مستقبل) اور ذہنی آسودگی میں بڑی رکاوٹ ہے۔ کائنات کی مادی تعبیر انسان کو خود غرض بنا کر انسان ہی کی دشمن بناتی ہے انسان کے مرنے کے بعد مکمل طور پر فنا ہو جانا انسان دشمنی کی بنیاد ہے یہی وجہ ہے کہ اس نظریے کے ماننے والوں نے صرف بدنی لذتوں پر توجہ مرکوز رکھی اور دنیا سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش میں انسانوں کی حق تلفی کی ہے۔ جس کی وجہ سے عالمی سطح پر انسانیت بحران کا شکار رہی۔

عشق نا پید و خرد ے گزدش صورت مار
عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

(ضرب کلیم)

مادہ پرستانہ انسان دوست مفکرین کے پاس انسان دوستی کے لیے کوئی ٹھوس بنیاد موجود نہیں ہے۔ اقبال کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے نظریہ انسان دوستی کو روحانی بنیاد فراہم کی ہے۔ روحانی بنیاد کے بغیر زندگی کو کوئی نصب

العین نظر نہیں آتا۔ کیوں کہ دنیاوی محدود زندگی کا انسان دوستی کا نصب العین بہت محدود ہے۔ جو کسی بھی وقت اعلیٰ نصب العین اور بنیاد نہ ہونے کی وجہ سے مفادات کی بھینٹ چڑھ سکتا ہے۔

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں!
ہے اگر ارزاں تو سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں
جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

(والدہ مرحومہ کی یاد میں بانگ درا)

اقبال کے نظریہ انسان دوستی کی بنیاد فلسفہ خودی میں مضمر ہے۔ کیوں کہ اپنی ذات کے پہچان کے بغیر نہ تو عرفانِ نفس حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عرفان ربّ۔ اپنی پہچان ہی معرفت الٰہی کی بنیاد ہے اور معرفت الٰہی تمام انسانوں کو اللہ کا کنبہ قرار دیتا ہے۔ اسی منزل کے بعد انسان دوستی کا حقیقی آغاز ہوتا ہے۔

اقبال کا مرد کامل، انسان دوستی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے وہ نطشے کے سپر مین کی طرح بے لگام نہیں ہے نطشے کا سُپر مین مساوات کا سخت مخالف ہے اور اس کی یہی مخالفت انسان دشمنی کا باعث ہے۔ اس لیے وہ برملا کہتا ہے۔

"اے مساوات کے مبلغو! یہ بے بسی تم پر قہرمان کی طرح مسلط ہے اس لیے بے بسی کے عالم جنون میں تم مساوات مساوات کی رٹ لگاتے ہو فطرت کو مساوات سے ضد ہے۔ فطرت تو افراد طبقات اور انواع میں ممیزہ ہے۔ ارتقا کا عمل اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اعلیٰ درجے کی نسلیں جماعتیں اور افراد ادنیٰ درجہ کی نسلوں جماعتوں اور افراد کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کریں۔ زندگی کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے سے فائدہ اُٹھا کر اپنے آپ کو قائم رکھا جائے۔ زندگی یہ ہے کہ جاندار دوسروں کو مار کر خود زندہ رہے چھوٹی مچھلیوں کو بڑی مچھلیاں نگل جاتی ہیں۔ بس یہی زندگی کی کہانی ہے۔"[۲۳]

اقبال کا مرد مومن انسانوں کے لیے رحمت اور ہمدردی کا نمائندہ ہے وہ ظاہری اور باطنی تمام اوصاف سے مزین ہے۔ اقبال کی انسان دوستی کی بنیاد آزادی و خود مختاری پر ہے محکومی اور غلامی کو جائز قرار دینے والا کسی صورت میں انسان دوست نہیں ہو سکتا۔

غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
بھروسا کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردان حُر کی آنکھ ہے بینا

(بال جبرئیل)

اقبال ہر اس نظام کی بھی حمایت کرتے ہیں جو انسان کو اظہار رائے کی آزادی شخصیت کی نشوونما کے مواقع فراہم کرے اور معاشی استحکام عطا کرے اس لیے اقبال سماجی جمہوریت اور غیر استحصالی معاشی نظام کا نفاذ چاہتے ہیں جو تمام انسانوں کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق مواقع فراہم کرے اور ہر کسی کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت دے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

(بانگ درا)

اقبال انسان دوست مفکر کی حیثیت سے محروم پسماندہ اور پسے ہوئے طبقات کو جگاتے ہیں۔ انہیں اعتماد اور حوصلہ دیتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں:

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دستِ دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی

اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیبِ رنگ
"خواجگی" نے خوب چُن چُن کے بنائے مسکرات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اُٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے
کر مک ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

(بانگ درا)

اقبال ہر اس فلسفے اور نظریے کی مخالفت کرتے ہیں جو انسان کی شخصیت کی نشو و نما اور انسان دوستی میں مانع ہو۔

اقبال قوم پرستی کو عالمی انسان دوستی کے لیے مضر سمجھتے ہیں۔

"میں نظریہ وطنیت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں جب کہ دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریہ کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا۔"[۲۴]

اقبال کی انسان دوستی فقط مسلمانوں تک محدود نہیں:

"اقبال کے افکار میں اسلامیت بھی ہے اور آفاقیت بھی۔اُن کے اول مخاطبین مسلمان ہیں کیوں کہ وہ مسلم معاشرے میں پیدا ہوئے اور وہ مسلمانوں کی حالت بدلنا چاہتے تھے لیکن ان کا فلسفہ حیات جو عمل و عشق اور استحکام شخصیت سے عبارت ہے وہ پورے بنی نوع انسان کے لیے ہے۔انہوں نے مشرق و مغرب دونوں کے بارے میں سوچا اور اُن کے مستقبل کے بارے میں اظہار خیال کیا۔"[۲۵]

الغرض الحاد اور گھٹن زدہ ملائیت کے مابین اقبال کا نقطہ نظر انسان کی ایسی محوریت پر استوار ہے جو قرآنی تعلیمات کے مطابق اور عالمی انسان دوستی سے ہم آہنگ ہے۔ اور دو انتہاؤں میں سسکتے بلکتے انسانوں کے لیے تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔

حوالہ جات

1۔ طالب حسین سیال، ڈاکٹر، اقبال اور انسان دوستی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس،، ۲۰۰۳ء، ص ۲۱
2۔ ہارون الرشید تبسم، ڈاکٹر، چند ہم عصر اقبال شناس، کارنر بک جہلم، ۲۰۱۰، ص ۱۸۳
3۔ اقتباس از سال نو کے لیے اقبال کا پیغام جو یکم جنوری ۱۹۳۸ء کو آل انڈیا ریڈیو لاہور سے نشر ہوا۔
4۔ طالب حسین سیال، ڈاکٹر، اقبال اور انسان دوستی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء، ص ۲۰
5۔ توصیف احمد خان، ڈاکٹر، اُردو ادب میں انسان دوستی، ہفتہ ۴ جون ۲۰۱۶، ایکسپریس نیوز، اخبار۔
6۔ مبارک علی، ڈاکٹر، یورپ کا عروج، فکشن ہاوس، ۲۰۰۰، ص ۹۳، ۹۲
7۔ طالب حسین سیال، ڈاکٹر، اقبال اور انسان دوستی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء، ص ۳۰
8۔ ایضاً، ص ۳۹
9۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۶۴، ص ۳۴۵
10۔ آل عمران ۳، آیت ۴۲
11۔ طالب حسین سیال، ڈاکٹر، اقبال اور انسان دوستی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء، ص ۱۵
12۔ زبور، ص ۹ اور ۲۳
13۔ سورۃ الدھر ۷۶، آیت ۱
14۔ سورۃ المائدہ ۵، آیت ۳۲
15۔ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد پنجم، سروسز کلب ۱، ۹۹ ص ۹۸
16۔ کنزالعمال: ج 8، ص 201
17۔ طالب حسین سیال، ڈاکٹر، اقبال اور انسان دوستی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس،، ۲۰۰۳ء، ص ۷۷
18۔ طالب حسین سیال، ڈاکٹر، اقبال اور انسان دوستی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس،، ۲۰۰۳ء، ص ۱۹۵
19۔ طالب حسین سیال، ڈاکٹر، اقبال اور انسان دوستی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۰۳ء، ص ۱۰۲۔
20۔ افتخار احمد صدیقی، پروفیسر، ڈاکٹر، عروجِ اقبال، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۱۷۷

21۔ عبدالواحد سید معینی، مقالاتِ اقبال، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۱۰۳
22۔ ایضاً، ص ۱۹۵
23۔ ول ڈیورینٹ، داستان فلسفہ، مترجم، سید عابد علی فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۱۳۴
24۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روح اقبال، القمر انٹرپرائزز اُردو بازار، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۲۹۶
25۔ طالب حسین سیال، ڈاکٹر، اقبال اور انسان دوستی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس ۲۰۰۳ء، ص ۲۶۳